Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 3 (January-March 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Early Urdu Woman Novelists Social Consciousness

اردو کی ابتدائی خواتین ناول نگاروں کا سماجی شعور

Ghulam Shabir
PhD Scholar, National College of Business Administration and Economics Sub Campus, Multan

Aisha Ghazala
PhD Scholar, National College of Business Administration and Economics Sub Campus, Multan

Muhammad Zaryab Khan
MPhil Urdu, Institute of Southern Punjab, Multan

Abstract

After 1857, a transformative revolution unfurled within the annals of Urdu literature. With the cessation of the British East India Company's rule, the British government appointed a Governor-General to oversee and govern the Indian populace, precipitating sweeping changes across the social, economic, and political landscape of the subcontinent. This heralded a significant shift in the literary predilections and inclinations of India. A notable emergence during this epoch was the advent of the Urdu novel, marking a pivotal augmentation in Urdu literary tradition. Deputy Nazir Ahmad spearheaded this movement by penning narratives that bore the appellation of novels, thereby delving into the societal milieu and endeavoring to redress entrenched social maladies, particularly those afflicting women. In an era where female participation in social activities was severely curtailed, and their role on social platforms was virtually non-existent, Deputy Nazir Ahmad's narratives illuminated the struggles and aspirations of women. Rasheed un Nisa, distinguished as the foremost female

CC BY

novelist in Urdu literature, embarked on her literary journey in 1881, although her seminal work wasn't published until 1984. She harbored a profound concern for the plight of women in the subcontinent, employing her novels as conduits to instigate social consciousness among her female counterparts. Subsequently, luminaries such as Mohammadi Begum and Nazear Sajad Haider followed suit, contributing to the burgeoning corpus of social novels. These pioneering women writers played an instrumental role in fostering social awareness and garnered acclaim for their efforts. Their narratives, revered as quintessential social novels, not only elucidated the challenges faced by women but also served as beacons of inspiration, paving the way for subsequent generations of women to assume proactive roles in society.

Keywords: Social Conciousness, Womens Novelist, Rasheed un Nisa, Mohammadi Begum, Nazar Sajad Haider, Social awarance

تمہید

انیسویں صدی کے آخری نصف میں ہندوستان کا سیاسی و سماجی اور ادبی منظر نامہ مسلسل انقلابات کا شکار رہا ہے۔ یہ ایک تہذیب کے مٹنے اور دوسری تہذیب کے جنم لینے کا ارتقائی دور تھا۔ 1857ء کے بعد جب انگریز ہندوستان پر مکمل طور پر قابض ہو گئے تو مسلمانوں اور ہندوں دونوں کو اپنی سماجی شناخت کو بقاء کا مسئلہ در پیش تھا۔ ہندو اور مسلم دونوں ہی خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے۔ انہوں نے مغربی اقدار کے مقابلے میں مشرقی اور مغربی قدروں کا سہارا لے کر ایک حفاظتی دیوار تعمیر کرنا چاہی۔ ہندؤں نے آریہ سماج کے ذریعے اور مسلمانوں نے علی گڑھ تحریک کے ذریعے اپنی بقاء کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔ انگریز مشرقی اقدار پر پوری قوت سے حملہ آور ہوئے انہوں نے برطانیہ سے عیسائی مشینری بلا کر مذہبی یلغار برپا کرنے کی کوشش کی اردو، فارسی اور ہندی کی جگہ انگریزی زبان میں نظام تعلیم رائج کر کے ہندوستانیوں کو ان کی مادری زبانوں سے محروم کرنے کی کوشش کی اور خود اپنے آفیسرز کو مقامی تہذیب و ثقافت اور زبان وادب سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مقامی زبانیں سیکھنے کا ٹاسک دیا۔

ہندوؤں نے عیسائی مشینریوں کی تبلیغ کے خطرات محسوس کرتے ہوئے ہندو مذہب کی تعلیم کو نئے سرے سے جوش و خروش سے توانا کیا۔ مسلمانوں نے دیو بند مدرسے کے قیام کے ذریعے مذہبی سطح پر مسلمانوں کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنے کی کوشش کی۔ ہندو بھی انگریزوں سے اپنی تہذیب کو بچانا چاہتے تھے لیکن مسلمانوں کے جذبات انگریزوں کے مقابلے میں زیادہ شدید تھے۔

یہ ایک ایسا دور تھا جب ہندوستانی معاشرہ شکشت وریخت کے عمل سے گزر رہا تھا اور معاشرے میں تبدیلی کی ایک شدید تمنا اور مصلحتیں ہندوستانی ادیبوں اور دانشوروں کے دل میں انگڑائی لے رہی تھی۔ ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی جیسے مفکرین

ہندوستانی معاشرے کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے سخت آزمائش سے گزر رہے تھے۔ مولانا الطاف حسین حالی کے "مجالس انسا" کی تخلیق نے ایک نئی ادبی صنف اور نئے ادبی رجحان کو بنیاد فراہم کی اور داستانوی دور کی نثری ادب کی ٹھہری ہوئی لہر میں حرکت پیدا ہوئی ڈپٹی نذیر احمد نے مراۃ العروس 1869ء میں لکھا جسے اردو میں ایک نئی ادبی صنف ناول نگاری کا نقطہ آغاز تسلیم کیا جاتا ہے۔

مولانا حالی اور ڈپٹی نذیر احمد کی ابتدائی کوششوں میں ایک چیز جو مشترک تھی وہ تھی اصلاح پسندی۔ اس دور میں خواتین کے لئے گھر کی چادر اور چار دیواری سے باہر نکل کر سماجی ذمہ داری ادا کرنا ایک غیر معمولی بات تھی۔ اس عمل کو نہ تو روایت تھی اور نہ ہی اس عمل کے لئے اجازت۔ تاہم ہندوستانی سماج کے بدلتے منظر نامے میں کچھ خاندانوں میں جہاں گھر کی خواتین جدید تعلیم سے آراستہ تھیں اس سوچ نے جنم لیا کہ خواتین کو سماجی خدمت کا موقعہ ملنا چاہیے لیکن مجموعی صورتحال قطعاً اس تبدیلی کے موافق نہ تھی۔

رشید النساء ایک ایسی ہی پڑھی لکھی خاتون تھیں جنہوں نے مولانا حالی کی مجالس النساء اور ڈپٹی نذیر احمد کی اصلاحی کہانیوں سے تحریک لے کر خواتین کی اصلاح پر مبنی ایک تحویل کہانی لکھی لیکن وہ اگلے 13 برش تک اسے شائع کروانے کی جرات پیدا نہ کر سکیں۔ اس ایک واقعہ سے اس دور کے کٹھن حالات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ جو خواتین کے سماجی کردار میں روکاوٹ تھا۔ رشیدہ النساء نے یہ ابتدائی ناول 1881ء میں لکھا اور 1894ء میں "اصلاح النساء" کے عنوان سے شائع کروایا۔ اس طرح وہ اردو کی اولین خاتون ناول نگار قرار پائی ہیں۔ ڈاکٹر نور السلام ندوی کے مطابق:

> "رشید النساء" روشن خیال وسیع النظر اور ترقی پسند خاتون تھیں۔ ان کے اندر ایک جذبہ تھا۔ خواہش تھی، تڑپ تھی وہ صنف نازک کو تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ دیکھنا چاہتی تھیں وہ سماج و معاشرت میں پھیلی برائیوں اور خرابیوں پر غور کرتی تھیں۔ اس کے اسباب اور علاج کے بارے میں تفکر کرتی تھیں۔ (1)

رشید النساء نے ان خواتین میں جو کہ اس وقت کے معاشرے میں خواتین کے حقوق کے لئے درد دل رکھتی تھیں اپنی اس تصنیف "اصلاح النساء" کے ذریعے خود کو اولین جرآت مند خواتون کے طور پر ہمیشہ کے لئے امر کر لیا۔ سر سید احمد خان، مولانا حالی اور ڈپٹی نذیر احمد جیسے مصلحین کی رکھی بنیادوں پر یہ پہلی پکی اینٹ تھی جس نے باقی باشعور خواتین کو بھی ہندوستانی معاشرے میں پھیلی اصل برائی یعنی جہالت کے خاتمے میں کردار ادا کرنے کی تحریک دی۔

CC BY

رشیدہ النسا اچھی طرح جانتی تھیں کہ ہندوستانی خواتین کو شعور و آگاہی اور تعلیم تربیت کے عمل سے گزارے بنا ایک نئے مضبوط ہندوستانی معاشرے کی بنیاد نہ رکھی جا سکے تھی۔ معاشرے میں خواتین کی تعلیم کا شعور پیدا کرنے میں اس ناول کی مرکزی کردار سے ہر گز انکار ممکن نہیں رشید النساء نے اس ناول کے دیباچہ میں لکھا:

"میرے نزدیک ان ہی وجھوں سے ایک طرح کی ناچاقی میاں اور بی بی میں ہو جاتی ہے جس سے ساری عمر رنج میں کٹتی ہے اور جو میاں بی بی دونوں جاہل ہوے ہے تو باہر میاں نے فضول باتوں اور بدکاری اور گھر میں بی بی نے ٹونے ٹونکے رسم و رسومات میں ساری دولت ٹھکانے لگادی سب نے کہا کہ آپ بہت ٹھیک کہتی ہیں۔یہی سب باتیں بگاڑ اور بربادی کی ہوتی ہیں۔اگر یہ سب باتیں نصیحت کے طور پر لکھی جائیں تو بڑا فائدہ ہو گا۔ان کے کہنے سے مجھ کو بھی خیال ہوا کہ ایک کتاب ایسی لکھی جائے جن میں ان رسموں کا بیان ہو جن کے باعث صدہا گھر تباہ ہوئے"(2)۔

رشید النساء کے اس بیان سے ان کے اس جذبہ کو سمجھا جا سکتا ہے جس کے تحت انہوں نے یہ ناول لکھا تھا۔ڈاکٹر آمنہ واسع ناول کے واقعات کے حوالے سے یوں رقمطراز ہوتی ہیں:

"اصلاح النساء کے واقعات ایک خاندان سے منسلک ہیں زندگی کی پوری ہما ہمی پے چیدگی اور ہمہ جہتی نظر نہیں آتی اور نہ واقعات میں تیکھا پن ہے۔ناول کے دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے متنوع کردار، نیرنگی واقعات اور کثرت تاثر کے ساتھ ایک تنظیمی وحدت ملتی ہے۔اگرچہ مصنفہ نے واقعات کے انتخاب میں منطقیت سے کام لیا ہے کیوں کہ جن رسموں کو وہ دکھانا چاہتی تھیں ان کے لئے شادی، ولادت اور موت سے بڑھ کر دوسرے موزوں مواقع نہیں مل سکتے تھے۔(3)۔

ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کی طرح اس ناول میں بھی داستانوی اثرات واضع طور پر دیکھے جا سکتے ہیں اور اس کا بنیادی قصہ حقیقی زندگی سے قریب تر ہونے کے باوجود بھی ایک طرح کی تصوراتی فضا نظر آتی ہے۔ لیکن توہم پرستی جیسی سماجی برائیوں کی اصلاح کے لئے اس وقت کی ضروریات کے تحت یہ ایک انمول تخلیق کی حیثیت رکھتا تھا۔آج بھی ہمارے معاشرے میں توہم پرستی کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے اس حوالے سے اس ناول کی اہمیت آج بھی باقی ہے زاہدہ حنا نے لکھا:

OPEN ACCESS

CC BY

”رشید النساء نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ علمی و ادبی مجلسوں
اور مشاعروں کا تھا۔ان کے ارد گرد کتابیں ہی کتابیں تھیں بھائی امداد امام سے
عربی، فارسی، سنسکرت، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور لاطینی ادب کے بارے
میں سنا۔ میاں کے گھر گئیں تو انہیں فن موسیقی میں ماہر و یکتا پایا۔“(4)

اسی دیباچہ میں زاہدہ حنا نے مزید لکھا:

”اس زمانے میں ہندوستان کی گنی چنی ہندو اور مسلمان عورتوں کے حصے
میں یہ ماحول آیا تھا۔“(5)

رشید النساء کا بنیادی مقصد ہی یہی تھا کہ جو ماحول اور سماجی شعور انہیں میسر ہے اسے ہندوستان کی ہر عورت تک پہنچایا جائے۔ اسی دور میں 1975ء میں ایک برطانوی ماہر تعلیم سر ولیم میور نے ہندوستان کے طول و عرض میں خواتین کے لئے ایک تعلیمی تحریک کا آغاز کیا۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ سر سید احمد خان سمیت بہت سے روشن خیال ہندوستانی بھی اس تحریک کے سخت خلاف تھے۔ لیکن ولیم میور کے خیلات نے ہر حال ہندوستانی ضمیر کو جگانے میں کردار ادا کیا۔ ڈپٹی نذیر احمد اور رشیدہ النساء نے بھی ان کے افکار سے اثرات قبول کیے۔

”مراۃ العروس جیسی کئی کتابوں کے لکھے جانے کا سہرا ایک اعلیٰ برطانوی
سرکاری افسر سر ولیم میور کے سر ہے۔ سر ولیم میور کو ہندوستانی عورت کی
تعلیم سے گہری دلچسپی تھی۔“(6)

ڈپٹی نذیر احمد کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خود بھی بے مثال ناول لکھے اور نئے لکھنے والوں کے لئے راستہ بھی ہموار کیا۔

”یہ ڈپٹی نذید احمد کی مراۃ العروس تھی جس نے رشید النساء کو اس جیسا قصہ
لکھنے پر اکسایا۔“(7)

رشیدہ النساء نے کب اور کس عمر میں ڈپٹی نذیر احمد کا پہلا ناول پڑھا اس کا اندازہ لگانا تو مشکل ہے البتہ ان کے افکار پر اس ناول کے اثرات واضع طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے ڈپٹی نذیر احمد کی شروع کی ہوئی اصلاحی تحریک کو نئی قوت عطا کی اور خواتین کے لئے تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کی سمت کا تعین بھی کیا۔ اس ناول میں رشیدہ النساء کے مکالمے، منظر نگاری، کردار نگاری اور پلاٹ کی بنت ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا واضع ثبوت ہے۔ مکالمہ نگاری کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

”لاڈلی: چلو دروازے سے جھانک کر دیکھیں گے۔

OPEN ACCESS

اشرف النساء: مٹ جھانکو جی جھانکنا بُری بات ہے۔ دادی اماں کہاں جھانکتی ہیں۔ اگر جھانکوں گی تو دادا جان بہت خفا ہوں گے۔"(8)

ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"اشرف النساء: تعلیم میں پڑھنا تو داخل ہے مگر پڑھنے کے ساتھ ادب، تمیز، اخلاق کی باتوں کی تعلیم نہ ہو تو پڑھنا بے کار ہے۔"(9)

اس مکالمہ میں بامقصد تعلیم کی تفہیم اس دور کی سماجی ضرورت کے حوالے سے اشرف النساء کے اس ڈائیلاگ میں واضع ہے۔

اشرف النساء کا اصلاحی انداز ملاحظہ فرمائیں۔

"لاڈلی: اب کوئی وہاں اسکول بھی لڑکیوں کا بنے گا، لڑکیاں انگریزی بھی پڑھیں گی۔

اشرف النساء: کوئی علم ہو اس کے حاصل کرنے میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔"(10) اس مکالمے میں انگریزی تعلیم کے بارے میں خواتین کے تجسس کی جھلک نظر آتی ہے۔ اشرف النساء خواتین کے تحفظات دور کرنے کی بھرپور کوشش کرتی نظر آتی ہے۔

تعلیم النسواں کی اہمیت یوں بیان کرتی ہے:

"مرد کی تعلیم عورتوں کے اختیار میں ہے جب لڑکے پیدا ہوتے ہیں تو پہلے ماں ہی سے تعلیم پاتے بعد اس کے مولوی ماسٹر کے سپرد ہوتے ہیں۔"(11)

کسی بھی ناول میں مکالمہ نگاری کو ناول کے معیار کو پرکھنے میں اہم عنصر ہے۔ ہم کرداروں کے افکار اور رجحانات سے واقفیت مکالموں کے ذریعے ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ کرداروں کے ادا کردہ جملوں سے ہی ان کی شخصیت عیاں ہوتی ہے۔ داستان کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس میں اچھے کردار ہمیشہ نیکی اور بدی کے لئے مخصوص کردار اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر کہانی کی تکمیل کر دیتے ہیں۔ اچھے کردار ہمیشہ اچھے اور برے کردار ہمیشہ برے ہی رہتے تھے۔ اچھے کرداروں سے کسی برائی کا سرزد ہونا نا ممکن تھا۔ جبکہ برے کرداروں سے نیکی کا عمل نا ممکن تھا۔ ابتدائی ناول نگاروں کے ہاں بھی کردار نگاری میں یہی خوبی ملتی ہے ڈپٹی نذیر احمد کے بعد رشید النساء کے ہاں بھی یہی میلان نظر آتا ہے۔ اشرف النساء کا کردار اصغری کے کردار کی مثل ہے اور لاڈلی کا کردار اکبری کی نقل محسوس ہوتا ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے مصنفہ نے خواتین کے ہاں ایک ہی گھر ایک ہی خاندان میں پرورش پانے

CC BY

کے باوجود مختلف رویوں کے اثرات کو بخوبی پیش کیا ہے۔اور یہ بھی دیکھایا ہے کہ بچوں کو بچپن میں جس طرح کا ماحول میسر آتا ہے آخر عمر تک ان کے لیے ابتدائی اثرات سے باہر نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔اچھی تربیت ہمیشہ اچھا اثر ڈالتی ہے جبکہ بُری صحبت کے برے اثرات بھی ذہن پر ہمیشہ حاوی رہتے ہیں۔بچوں کی بے جا فرمائشوں کو پورا کرنا اور غیر ضروری لاڈ پیار منفی اثرات پیدا کرتا ہے۔جوان کی عملی زندگی کو بھی زیر آلود کر دیتا ہے اور مثبت خطوط پر تربیت کا فقدان ان کو مثبت سوچ سے محروم کر دیتا ہے۔رشید النساء کے اس ناول کی ایک اور خوبی منظر نگاری ہے انہوں نے دیسی ماحول اور اس دور کی خالص تہذیب وثقافت کا ہو بہو ویسے ہی نقشہ کھینچا ہے جیسی کہ وہ اس وقت تھی۔رشید النساء نے اس ناول میں اس دور کے ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کی جھلک ھی نہایت خوبصورت انداز میں پیش کی ہے۔عید پر ہندوستانی لوگوں کی سر گرمیاں ملاحظہ فرمائیں۔

> ”اب عیدی بھیجنے کی تیاری شروع ہوئی۔پانچ من کچی سویوں پر شہاب کا رنگ چھڑ کا گیا اور خوانچوں میں رکھی گئیں اور پانچ پنسیری چینی سینی میں رکھ کر اور ایک پنسیری چھوہارا اور تہواری کے پانچ روپے دلہن کی چوڑی اور تہواری کے پندرہ روپے۔ابرک کی ڈولی نے ابرک کا پنکھا، ابرک کا جھنجھنا، یہ سب مزدوروں کے سر پر اور مامائیں گیت گاتی ہوئی سمدھیانے پہنچیں۔“(12)

> ”بقر عید آئی اس میں بکرے جانے کی تیاری کی جانے لگی۔پانچ بکرے اور دس گز یک رنگا چھپ کر آیا۔اس کی بکروں کی جھولی بنائی گئی اور پانچ روپے کی مٹھائی پانچ خوانوں میں رکھی گئی۔بقر عید کے دن سمدھیانے بھیجا گیا۔“(13)

> ”مسلمانوں کے تہوار ختم ہوئے۔اب ہندوؤں کے تہوار شروع ہوئے۔دیوالی جانے کی تیاری شروع ہوئی یعنی مٹی کی مورت، کلھیا، چگیا، دھان کی کھیلیں، چینی کے کھلونے یہ سب سمدھیانے بھیجے گئے۔“(14)

رشید النساء کا یہ ناول کئی ایک پہلوؤں سے اس وقت کے ہندوستانی سماج کی جھلک دیکھنے کے لئے اہم ہے۔اس دور کی زندگی کی منفی اور مثبت دونوں اعتبار سے بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔اس دور میں ایک خاتون کے لئے جدید تعلیم خصوصاً انگریزی تعلیم کی اس انداز میں حمایت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔خواتین کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے سماجی سطح پر مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کرنے کا مقصد کوئی معمولی بات نہ تھی۔انہوں نے ایسے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے 1906ء میں اپنا ذاتی مدرسہ بنا کر ایک اور

CC BY

سنگ میل عبور کر لیا۔ رشید النساء کے متعارف کروائے گئے کردار، بسم اللہ، بسم اللہ کی ماں، رحمت النساء، وزیرن اور اشرف النساء جیسے کردار اس دور کے ہندوستانی معاشرے کے لئے حقیقی کرداروں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ سکھوں نے آنے والے وقتوں کے لئے ہندوستانی معاشرے میں سماجی پابندیوں میں جکڑی عورت کی آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا:

اردو کی ابتدائی خواتین ناول نگاروں میں دوسرا سب سے اہم نام محمدی بیگم کا ہے۔ محمدی بیگم 2 مئی 1879ء میں سید احمد شفیع کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئیں۔ جو دہلی میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ محمدی بیگم کا خاندان روشن خیالی کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ محمدی بیگم کو ابتدائی عمر سے ہی بہترین ادبی و تعلیمی ماحول میسر آیا۔ آپ کی شادی محض 19 سال کی عمر میں سید امتیاز علی سے ہوئی۔ سید امتیاز علی سیاسی و سماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

انہوں نے خواتین کے مقام کے لئے کافی جدوجہد کی انہوں نے اپنی ذاتی کوشش سے محمدی بیگم کو اردو، فارسی اور عربی زبان کی تعلیم دلوائی۔ تہذیب النسواں خواتین کا پہلا رسالہ مانا جاتا ہے جو کہ سید امتیاز علی نے ہی 1898ء میں جاری کیا۔ اس کی ادارت انہوں نے محمدی بیگم کو سونپی تھی محمدی بیگم نے نہ صرف خواتین کے لئے بلکہ بچوں کے لئے بھی نظمیں لکھیں۔ ان کا پہلا ناول "صفیہ بیگم" 1903ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ناول "آج کل" 1906ء میں شائع ہوا۔ سید جاوید اختر نے محمدی بیگم کی ناول نگاری کے حوالے سے لکھا کہ:

> "محمدی بیگم کو قدرت نے مہلت نہ دی اور وہ کم عمری میں وفات پا گئیں ورنہ
> وہ اردو ادب کو مزید معیاری ناولوں سے فیض یاب کرتیں۔" (15)

"صفیہ بیگم" کا موضوع لڑکیوں کی بچپن میں ہی منگنی کے حوالے سے ہے۔ انہوں نے اس رواج کے مضر اور منفی اثرات کو نمایاں کیا ہے۔ اگرچہ عصر حاضر میں یہ روایت اتنی زیادہ نہیں لیکن اس دور میں یہ مسئلہ معاشرے میں ایک اہم ترین مسئلہ تھا۔ اس ناول کا مرکزی نسائی کردار صفیہ ہے۔ صفیہ کی منگنی بچپن میں ہی کر دی گئی تھی۔ اس کی پیدائش کے وقت ہی اسے بڑے چچا کے بیٹے سے منگنی میں باندھ دیا گیا تھا۔ وہ لڑکا بڑا ہوا تو نہایت خوبصورت تھا لیکن تعلیم و تربیت سے عاری رہا۔ اسے زندگی کے مسائل سے کوئی نہ تو دلچسپی تھی اور نہ ہی کوئی سوجھ بوجھ۔ جبکہ صفیہ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بطور ڈاکٹر بھرپور صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ وہ فن مصوری میں بھی تاک تھی اور ہاتھ سے تصویریں بنانے میں باکمال تھی۔ اگرچہ اس کی والدہ اس کے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھی لیکن اس نے بالآخر اسے اس کے چچا کے بیٹے سے بیاہنے میں ہی عافیت جانی ورنہ خاندان کی عزت خاک میں مل جاتی۔ لیکن جیسا کہ خدشہ لاحق تھا شادی کے بعد صفیہ کی اپنے شوہر سے ذہنی ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی اور اس طرح اپنے شوہر کی عدم توجہ کی وجہ سے ایک انتہائی باصلاحیت لڑکی کی زندگی برباد ہو گئی۔ جب اس کے خوشگوار زندگی گزارنے کے ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں تو اس نے خودکشی کر لی۔ لیکن اس سے پہلے اپنے والدین کے نام ایک خط لکھ کر ان کے شعور کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔

CC BY

"مت بیاہو اپنی بیٹیوں کو بد چلن لڑکوں سے ورنہ تمھاری وہ بیٹی جس کی آنکھ میں ذرا سے مرض کے آنسو دیکھ کر تم گھبرا جاتے ہو اور دوائیں اور سرمے لگاتے پھرتے ہو تمام تمام رات اور تمام تمام دن رنج و غم میں گھلے گیا ور لہو کے آنسو روئے گی۔"(16)

اس خط کے مزید مندرجات کچھ یوں تھے۔

"اب میرے ہوش وحواس بجا نہیں میں یہ بھی نہیں جانتی کہ میں جو کچھ لکھ رہی ہوں وہ بجا ہے یا بے جا۔میری غرض یہ ہے کہ بیٹیوں کے بیاہ کو گڑیا کا بیاہ بنایا جائے۔"(17)

صفیہ بیگم نے خواتین کے حقوق سلب کرنے اور معاشرے میں عورتوں کے ساتھ غیر مساوی سلوک کے خلاف واضع طور پر احتجاج کیا اور اپنے حقوق کے حصول میں ناکامی کا بدلہ خود سوزی کی صورت میں لیا۔

"1897 میں جب کنوارپن کا زمانہ تھا میں نے کئی گھروں میں نااتفاقی اور ناچاقی کا چرچا سن کر دل ہیں یہ خیال کیا تھا کہ اگر کوئی کتاب ایسی ہو جس کے ذریعہ سے بیوی کو ان سب فرائض سے آگاہ کر دیا جائے جو اسے اپنی سسرال میں نہ کرنا چاہیں تو غالباً پھر کسی قسم کی رنجش،ناچاقیاں کم ہو جائیں۔"(18)

محمدی بیگم نے اپنے دور میں شادی شدہ خواتین کی زندگی کی مشکلات کا بھرپور مشاہدہ کر رکھا تھا ان کے اندر ان خواتین کے خانگی مسائل کے حل کی تحریک پیدا ہوئی انہوں نے ان کے مسائل کے حل کی تحریک پیدا ہوئی انہوں نے ان کے مسائل حل کرنے میں اپنا سماجی کردار ادا کرنے کا تہیہ کر لیا۔ڈاکٹر جاوید اختر اس ناول کے حوالے رقم دراز ہوتے ہیں:

"محمدی بیگم نے ''شریف بیٹی'' میں طبقہ اناث کو ہاتھ پاؤں ہلا کر اپنے خاندان کی معاونت کرنے کی تلقین کی ہے اور کہانی کے پیرائے میں ان اسباب دنیاوی پر روشنی ڈالی ہے جس سے خاتون خانہ بے فکر ہو کر اپنے ہی گھر میں ہر معاشی دشواری سے عہد برا ہو سکتی ہے۔"(19)

اس ناول میں شریف النساء کو مرکزی نسائی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔شریف النساء بہت ہی کم عمر تھی جب اس کے والد کی وفات ہوئی۔اس کا والد ایک معمولی ملازم رہا جس کی وجہ سے وہ کوئی خاص رقم اپنے خاندان کے لئے محفوظ نہ کر سکا اور اس کی موت ہو گئی۔ باپ کی موت کے بعد شریف النساء کو اپنے گھر کا نظام چلانے کے لئے اور ماں کی مدد کرنے کے لئے روزگار

OPEN ACCESS

تلاش کرنا تھا۔ شریف النساء نے سلائی کڑھائی اور کشیدہ کاری کا ہنر سیکھا۔ اور پھر بہت تھوڑے ہی عرصے میں اپنے گھر کی مالی حالت بدل دی اس کے دونوں چھوٹے بھائی پڑھ لکھ کر بڑے اور ہم عہدوں پر فائض ہوئے۔ اس کی والدہ بیماری سے صحت یاب ہو گئی۔ اس ناول میں شریف النساء کا کردار خواتین میں تعمیری سوچ بلند کرنا ہے۔ خواتین کے اندر سماجی بیداری پیدا کرنے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے محمدی بیگم نے اپنے اس نسوانی کردار کو بھرپور طریقے سے پیش کیا۔ اپنے سماجی ضابطوں کا احترام کرتے ہوئے سماجی حدود و قیود کے اندر رہ کر سماجی تبدیلی لانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے اس ناول کے ذریعے یہ تحریک پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی۔ اس ناول میں محمدی بیگم نے خواتین کے اندر سماجی خدمت کا جذبہ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

اردو کی ان ابتدائی خواتین ناول نکاروں نے اس دور میں جب خواتین کے حقوق کے لئے آواز بلند کی جب خواتین کے لئے آواز بلند کرنا عذاب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ یہ ایک ایسا دور تھا جب ہندوستان مین صرف چند ایک خوش نصیب عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا تھا وہ بھی گھر چاردیواری کے اندر رہ کر اور اس خوش قسمتی کی وجہ یہ تھی کہ وہ روشن خیال گھرانوں میں پیدا ہوئیں تھیں۔ اور ان کے گھروں میں انہیں خواتین کے لئے آواز بلند کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔ لیکن عوامی ردعمل کس قدر خوفناک ہو سکتا تھا اس اندیشے نے ان خواتین کے لئے ان کے خاندانوں کو کھل کر خواتین کے حقوق کے لئے آواز بلند کرنے سے پہلے کئی بار سوچنے پر مجبور کیا اب صورتحال یہ تھی کہ جب ان خواتین نے عورتوں کے لئے اصلاحی ناول لکھنا شروع کیے تو خود مسلمان قائدین کی جانب سے بھی مزاحمت سامنے آئی جو ہندوستان میں خواتین کو ہر صورت گھر کی چاردیواری میں قید رکھنا چاہتے تھے۔ اس تناظر میں ان خواتین کی علمی وادبی خدمات کی ایک خاص اہمیت ہے جنہوں نے ہندوستان کے سماجی منظر نامے پر خواتین کے کردار کے لئے راہیں ہموار کیں۔ ان کے بعد نذر سجاد حیدر، عصمت چغتائی اور رشید جہاں جیسی خواتین نے ہندوستانی خواتین کے لئے لازوال خدمات سرانجام دیں اور معاشرے کو خواتین کا جائز حق دینے پر مجبور کیا۔ اس لئے ان ابتدائی ناول نگار خواتین کی کاوشوں کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔

حوالہ جات

1۔ نورالسلام ندوی، ڈاکٹر، رشید النساء، اردو ڈائریکٹوریٹ پٹنا 2023، ص 36

OPEN ACCESS

2۔ رشیدۃ النساء، دیباچہ، اصلاح النساء، پبلشرز مظہر امام، 2000ء، ص 11
3۔ آمنہ واسع، ڈاکٹر، بہار میں اردو ناول نگاری، موڈرن پبلشنگ ہاؤس دریا گنج نئی دہلی 1997، ص 133
4۔ رشیدۃ النساء، اصلاح النساء، پبلشرز مظہر امام، 2000ء، ص 19
5۔ ایضاً، ص 19
6۔ ایضاً، ص 19
7۔ ایضاً، ص 19
8۔ ایضاً، ص 179
9۔ ایضاً، ص 179
10۔ ایضاً، ص 182
11۔ ایضاً، ص 182
12۔ ایضاً، ص 195
13۔ ایضاً، ص 196
14۔ ایضاً، ص 196
15۔ جاوید اختر، سید، اردو کی ناول نگار خواتین، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1997ء، ص 21
16۔ محمدی بیگم، صفیہ بیگم، مکتبہ رفاہِ عام سٹریم پبلشرز، لاہور، 1913ء، ص 97
17۔ ایضاً، ص 97
18۔ محمدی بیگم، سگھڑ بیٹی، دیباچہ، دار الاشاعت پنجاب، لاہور، 1918ء، ص 5
19۔ جاوید اختر، سید، اردو کی ناول نگار خواتین: ترقی پسند تحریک سے دورِ حاضر تک، بسمہ کتاب گھر، دہلی، 2002ء، ص 25

Reference in Roman Style:

1. Noor-Ul-Islam Nadvi, Doctor, Rashid-Un-Nisa, Urdu Directorate Patna 2023, P36

CC BY

2. Rashid-Un-Nisa, Depacha, Islah-Al-Nisa, Publisher Mazhar Imam,2000,P11
3. Asifa Wasie Dr, Bahar Main Urdu Nawal Nigari, Modern Publisher House Darya Ganj New Delhi 1997, P 133
4. Raseed un Nisa, Islah –un-Nisa, Mazharul Islam Publisher, 2000, P19
5. Ibid, P19
6. Ibid, P19
7. Ibid, P19
8. Ibid, P179
9. Ibid, P179
10. Ibid, P182
11. Ibid, P182
12. Ibid, P195
13. Ibid, P196
14. Ibid, P196
15. Javeed Akhtar, Syed, Urdu Ki Novel Nigar Khateen, Sang-e-Meel Publication, Lahore, 1997, P21
16. Mohammadi Baghum, Safiya Baghum, Maktaba Rifa-e-Aaam Sitreem Pbulishers, Lahore, 1913, P97
17. Ibid, P97
18. Mohammadi Baghum, Sughar Batti, Dibacha, Darulishat Punjab, Lahore, 1918, P5

19. Javeed Akhtar, Syed, Urdu Ki Novel Nigar Khwateen: Taraqi Pasand Tahreek Say Dour-e- Hazar Taak, Bisma Kitab Ghar, Dehli, 2002, P25